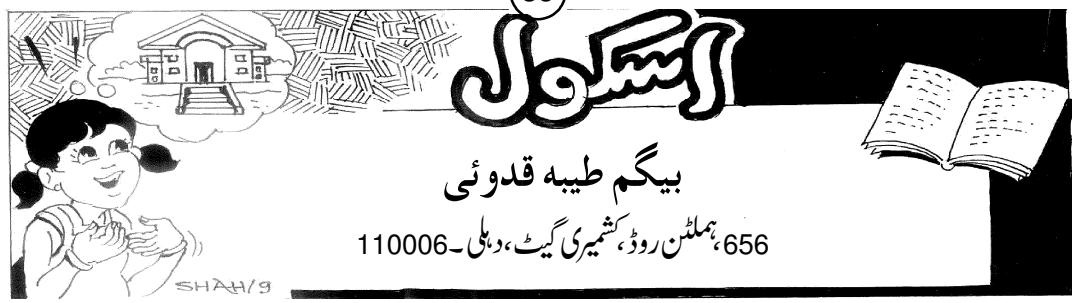

بیگم طیبہ قدوئی
656، ہملٹن روڈ، کشمیری گیٹ، دہلی۔110006

آشی اکیلی بیٹھی تھی اپنی ڈائری میں اُس نے ۱۷/اکتوبر کی رات کو لکھا آج قوی کو سچ مچ کی ایک کتاب ملی ہے وہ کتاب بہت پرانی تھی۔ آشی کے دادا نے بتایا تھا کہ جب وہ بہت چھوٹے تھے تب ان کے دادا نے کہا تھا کہ ان کے زمانے میں ساری کہانیاں کاغذ پر چھپتی تھیں اور پڑھی جاتی تھیں۔ کتابوں میں صفحات ہوتے تھے جن پر کہانیاں چھپی ہوتی تھیں اور ہر صفحہ پڑھنے کے بعد دوسرا صفحہ پلٹ کر آگے پڑھنا ہوتا تھا۔ سارے لفظ ساکن تھے چلتے نہیں تھے جیسے 'آجکل اسکرین' پر چلتے ہیں۔ قوی نے کہا تھا کتنی کتابیں بیکار جاتی ہوں گی ایک بار پڑھی پھر بیکار ہوگئی اب تو ہمارے ٹیلی ویژن کے پردے پر نہ جاتے کتنی کتابوں کا مٹیریل آجاتا ہے پھر بھی کتاب نئی کی نئی رہتی ہے۔

آشی نے بھی قوی کی ہاں میں ہاں ملائی پھر پوچھا تمھیں وہ کتاب کہاں ملی۔

قوی نے بتایا اپنے گھر میں ایک پرانا ڈبّہ کہیں دبا پڑا تھا پرانے سامان میں اسی کو پھینک رہے تھے کہ اس میں سے یہ کتاب ملی۔ آشی نے پوچھا اس میں کیا لکھا ہے؟ قوی نے کہا اسکولوں کے بارے میں لکھا ہے۔ اسکول! آشی نے سوال کیا۔ اس بارے میں لکھنے کو کیا ہے؟ ہر طالب علم کے گھر پر ایک مشین ہوتی ہے جس میں ٹیلی ویژن کی طرح کا ایک پردہ ہوتا ہے روزانہ پابندی سے اس کے سامنے بیٹھ کر ہمیں وہ سب یاد کرنا ہوتا ہے، جو وہ مشین ہمیں بتاتی ہے سارا گھر کا کام کر کے اسی مشین میں ڈالنا ہوتا ہے ہماری غلطیاں بتا کر پھر وہ طالب علموں کو سمجھاتی ہے۔ ایک ٹاپک پورا ہونے پر وہ مشین ہمارا امتحان لے کر ہمیں آگے پڑھانا شروع کر دیتی ہے۔ کہتے کہتے آشی تھک گئی تھی۔ آخر میں بولی کتنا بورنگ اور اُکتا دینے والا ہوتا ہے یہ سارا اسکول کا کام۔

قوی مسکراتے ہوئے اس کی باتیں سن رہا تھا ارے بُدھو جیسے اسکول کے بارے میں اس کتاب میں ہے وہ بالکل مختلف ہوتا تھا۔ اس میں تو ان اسکولوں کے بارے میں لکھا ہے جو صدیوں پہلے ہوتے تھے۔ آشی کے دل میں احساس جاگا بولی پھر بھی ان کے یہاں مشینی ٹیچر تو ہوتے ہی ہوں گے۔

آشی کو یاد آیا کہ ایک بار جب اس سے سائنس میں روز وہی غلطیاں ہونے لگی تھیں تو اس کی 'ماں' نے محلّے کے صدر کو بتایا تھا تب ایک آدمی آیا تھا اور اس نے اس مشین کے پرزے پرزے الگ کر دیے تھے تب اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا کہ وہ آدمی اس بور کرنے والے ٹیچر کو واپس جوڑ نہ پائے تو اسے ہمیشہ کے لیے چھٹی مل جائے، لیکن اس آدمی نے مشین کو پھر سے جوڑ کر اس کی ماں کو بتایا تھا لگتا ہے مشین کے سائنس کی چکّی کچھ تیز رفتار پر تھی سو آپ کی لڑکی کے لیے اسے سمجھنا مشکل ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی رفتار ہلکی کر دی ہے۔ اُمید ہے کہ اب ٹھیک رہے گا۔

اور آشی کو اسی وقت سائنس کی کلاس لینی پڑی تھی۔ دل ہی دل میں وہ اس ٹیچر کو کوستی رہی تھی تبھی قوی نے آشی کے سوچنے کے سلسلے کو توڑا، بولا ہاں تب ٹیچر تو ہوتے تھے پر مشین نہیں عورتیں اور مرد ہوتے تھے۔ کہیں کوئی مرد یا عورت اتنے سارے سبجیکٹ ہمیں سکھا سکتا ہے؟ کیوں نہیں وہ بچوں کو سارے سبجیکٹ سکھاتے تھے، گھر کا کام دیتے تھے اور سوال کرتے تھے، امتحان لیتے تھے۔ ٹیچر بچوں کے گھر نہیں جاتے تھے بلکہ بچے ایک خاص عمارت میں جاتے تھے جسے اسکول کہتے تھے۔

آشی کا اگلا سوال تھا کہ کیا سب بچے ایک وقت میں ایک جیسی ہی چیزیں سیکھتے تھے؟ ہاں ایک عمر کے بچے ایک ساتھ بیٹھتے تھے، لیکن ماں کہتی ہے کہ مشینی ٹیچر ہر بچے کی سمجھ کے مطابق پڑھاتا ہے پھر پرانے زمانے میں یہ کیسے ممکن ہوتا تھا تب وہ لوگ اس طرح نہیں کرتے تھے۔ رہنے دو تمہاری مرضی نہیں ہے تو میں وہ کتاب تمھیں نہیں دوں گا۔

آشی فوراً بولی میں اسے پڑھنا چاہوں گی یہ تب اسکول کیسے ہوتے تھے۔ کتنی عجیب عجیب باتیں جاننے کو ملیں گی۔ اتنے میں اندر سے ماں کی آواز سن کر آشی بولی لگتا ہے سبق کا وقت ہو گیا۔ قوی بھی اُٹھا اور اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔ آشی اپنے گھر کی طرف چلی گئی۔ اندر مشین آگے کا سبق دینے کو تیار تھی۔ مشین سے آواز آنی شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے آج تمھیں حساب سیکھنا ہے کل کا گھر کا کام مشین میں ڈالو۔

آشی نے ویسا ہی کیا وہ سوچ رہی تھی کہ کتنے اچھے ہوتے ہوں گے وہ پرانے اسکول جہاں ایک ہی عمر کے سارے کیے ہنستے کھیلتے کودتے اسکول جاتے ہوں گے اور پڑھانے والے مرد عورت ہوتے ہوں گے۔ اتنے میں مشین سے آواز آنی شروع ہو گئی تھی اور پردے پر چلتے ہوئے الفاظ اور نمبر آنے شروع ہو گئے تھے اور آشی سوچ رہی تھی کہ تب اسکول جانے میں کتنا مزہ آتا ہوگا کتنے خوش رہتے ہوں گے سارے بچے۔

OO

OO